

”وحی“ کے لغوی معنی کے متعلق نہیں، سوال اس اصطلاحی ”وحی“ کے متعلق ہے جو اللہ کی طرف سے حضرات انبیائے کرام کو ملتی تھی۔ کیا اس وحی کے محض لطیف اشارات خدا کی طرف سے ہوتے تھے یا الفاظ بھی منزل من اللہ ہوتے تھے؟ اگر محض لطیف اشارات ہی ہوتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ قرآن کریم کے الفاظ حضور کے اپنے تھے کیا آپ کا یہی ایمان ہے؟

انسانی ذہن میں پہلے ایک خیال اپنی مجر و صورت میں آتا ہے، پھر ذہن اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کرتا ہے۔ یہ عمل عام طور پر تو بہت تیزی کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو سوچ کر بولنے یا لکھنے کا بھی موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ بسا اوقات ذہن میں ایک تخیل گھوم رہا ہوتا ہے اور ذہن کو اس کے لیے جامۃ الفاظ تلاش کرنے میں خاصی کاوش کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے یہ بات صرف ایک انٹری ہی کہہ سکتا ہے کہ خیال الفاظ ہی کی صورت میں آتا ہے یا خیال اور الفاظ لازماً ایک ساتھ آتے ہیں وحی کی بہت سی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجر و ایک خیال نبی کے دل میں ڈالا جاتا ہے اور نبی خود اس کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتا ہے۔ اس طرح کی وحی کے غیر متلو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اور نبی اس بات پر مامور ہوتا کہ خاص الفاظ میں لوگوں کو پہنچائے۔

۱۲۰-۱۲۱ کی اس عبارت میں بھی موجود ہے جس کے ایک دو فقرے لیکر ڈاکٹر صاحب یہ بحث فرما رہے ہیں۔ قرآن کریم میں معنی اور لفظ دونوں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ آپ اسے انہی الفاظ میں لوگوں تک پہنچائیں۔ اسی لیے اس کو وحی متلو کہا جاتا ہے۔ وحی کی دوسری قسم یعنی غیر متلو اپنی نوعیت و کیفیت اور مقصد میں اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے لیے آتی تھی اور لوگوں تک وہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں نہیں بلکہ حضور کے ارشادات، فیصلوں اور کاموں کی صورت میں پہنچتی تھی۔ اگر ایک شخص یہ یقین کرتا ہو کہ نبی کے پاس پہلی قسم کی وحی آسکتی ہے تو آخر اسے یہ ماننے میں کیا چیز مانع ہے کہ اسی نبی کے پاس دوسری چیز بھی آسکتی ہے؟ اگر قرآن کا معجزانہ کلام ہمیں یہ یقین دلانے کے لیے

اگر آپ کا ایمان نہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم بالفاظ وحی منزل من اللہ ہے تو آپ وحی کو خیالات بلا الفاظ کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ اور اگر وحی اسی صورت میں وحی کہلا سکتی ہے جب کہ اس کے الفاظ محفوظ ہوں جب کہ قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے رکھا ہے، تو جس وحی کے الفاظ محفوظ نہ ہوں وہ وحی کیسے کہلا سکتی ہے؟ یاد رکھیے کہ یہ وحی متلو اور غیر متلو اور جلی اور خفی کا فرق بہت بعد کی پیداوار ہے۔ نہ خدا نے یہ فرق کیا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے رسول نے۔ البتہ یہودی لٹریچر میں یہ اصطلاحات ملتی ہیں۔

سنتِ ثابتہ کو ماننے سے انکار ۴۱۔ میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن کی کسی اطاعت رسول سے انکار ہے آیت کے متعلق یہ کہہ دے کہ وہ منزل من اللہ نہیں تو وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث کے موجودہ مجموعوں میں سے کسی ایک حدیث کے متعلق یہ کہے کہ وہ خدا کی وحی نہیں تو کیا وہ بھی اسی طرح دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ:

”احادیث کے موجودہ مجموعوں میں سے جن سنتوں کی شہادت ملتی ہے ان کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی سنتیں وہ ہیں جن کے سنت ہونے پر امت شروع آج تک متفق رہی ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر وہ متواتر سنتیں ہیں۔ اور امت کا ان پر اجماع ہے۔ ان میں سے کسی کو ماننے سے جو شخص بھی انکار کرے گا وہ اسی طرح دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے گا جس طرح قرآن کی کسی آیت کا انکار کرنے والا خارج از اسلام ہو گا۔

دوسری قسم کی سنتیں وہ ہیں جن کے ثبوت میں اختلاف ہے یا ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی سنتوں میں کسی کے متعلق اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تحقیق کے مطابق

کافی ہے کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہو سکتا ہے تو کیا رسول پاک کی معجزانہ زندگی اور آپ کے معجزانہ کارنامے

فلاں سنت ثابت نہیں ہے اس لیے میں اسے قبول نہیں کرتا تو اس قول سے اس کے ایمان پر قطعاً کوئی آپنج نہ آئے گی۔ (ترجمان - دسمبر ۶۰ صفحہ ۱۸۹) آپ اس سے پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ:

”یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جن چیزوں پر کفر و اسلام کا مدار ہے، اور جن امور پر انسان کی نجات موقوف ہے انہیں بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، وہ سب قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور قرآن میں بھی ان کو کچھ اشارہ و کنایہ نہیں بیان کیا گیا ہے، بلکہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اِنَّا عَلَيْنَا لِلْهُدٰی۔ (درسائل و مسائل صفحہ ۶۷)

کیا آپ بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مقام پر یہ کہا ہے کہ جو شخص ان متواتر سنتوں کے ماننے سے انکار کرے گا جن پر امت کا اجماع ہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جو ایسی سنتوں سے انکار کرے گا جن میں اختلاف ہے اس کے ایمان پر حرج نہیں آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

۳۱۷ اس کے بعد کے فقرے ڈاکٹر صاحب نے دانستہ چھوڑ دیئے ہیں، حالانکہ ان کی بات کا پورا جواب ان فقرہ کو ساتھ ملانے ہی سے ملتا ہے۔ ناظرین کرام اس کتاب کا صفحہ ۱۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۱۸ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اطاعت کو مدار کفر و اسلام قرار دیا ہے۔ لہذا جہاں یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ حضورؐ نے فلاں چیز کا حکم دیا ہے یا فلاں چیز سے روکا ہے یا فلاں معاملہ میں یہ ہدایت دی ہے وہاں تو اتباع و اطاعت سے انکار لازماً موجب کفر ہوگا۔ لیکن جہاں حضورؐ سے کسی حکم کا یقینی ثبوت نہ ملتا ہو وہاں کم تر درجے کی شہادتوں کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شہادت کو کمزور پا کر یہ کہتا ہے کہ اس حکم کا ثبوت حضورؐ سے نہیں ملتا اس لیے میں اس کی پیروی نہیں کرتا تو اس کی یہ رائے بجا ہے خود غلط ہو یا صحیح، بہر حال یہ موجب کفر نہیں ہے بخلاف اس کے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ حکم حضورؐ ہی کا ہو تب بھی میرے لیے یہ سند و حجت نہیں، اس کے کافر ہونے میں قطعاً شک نہیں کیا جاسکتا یہ ایک سیدھی سیدھی بات ہے جس میں کسی معقول آدمی کو الجھن پیش نہیں آ سکتی۔

میں جو اجزائے ایمان گنائے ہیں یعنی اللہ کے رسول۔ اس کی کُتُب۔ ملائکہ اور آخرت، کیا ان میں کہیں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ اس فہرست میں وہ سنتیں شامل ہیں جو امت کے نزدیک متفق علیہ ہیں ذرا سوچیے کہ کیا کفر و اسلام کا مدار بھی امت کے اتفاق اور اختلاف پر رکھا جاسکتا ہے تعجب ہی نہیں تا سفت ہے کہ آپ حضرات کس طرح خدا کے دین کو بچوں کا کھیل بنا رہے ہیں۔ آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ نے اس امت کو جس کے اجماع کو آپ مدار ایمان قرار دے رہے ہیں چڑیا گھر کے جانور بتایا تھا۔ اس لحاظ سے آپ کے ارشاد کے مطابق انسان کی نجات کا دار و مدار چڑیا گھر کے جانوروں کے اتفاق پر ہوگا۔

ایک بات اس ضمن میں اور بھی غور طلب ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ سنتوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن پر امت شریع سے آج تک متفق رہی ہے اور دوسری وہ جن میں امت کو اختلاف ہے۔ یہاں تک تو بات صاف ہے۔ امت کے عمل کی رو سے دبقول آپ کے سنتیں دو قسموں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ ایک متفق علیہ اور دوسری مختلف فیہ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ فرماتے ہیں کہ جن سنتوں میں اختلاف ہو سکتا ہے وہ بھی دوسری قسم میں شامل ہیں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ یہ اختلاف سنتوں کی دونوں قسموں میں سے کس قسم میں ہو سکتا ہے؟ جن سنتوں میں پہلے سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ان میں اختلاف ہو سکتے کے تو کچھ معنی ہی نہیں یعنی وہ متفق علیہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ متفق علیہ سنتوں میں بھی اختلاف کے امکان کے قائل ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو ان سنتوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے مجھے اس خط کو اب ختم کر دینا چاہیے ورنہ لکھنے کو تو ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ آپ ایک بار پھر میرے سوالات پر غور کریں۔ اور سوچیں کہ سوال کیا تھے اور ان کے جوابات آپ نے کیا دیئے؟ میں صرف متعین طور پر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جس طرح جب ہم ”قرآن“ کہتے ہیں تو اس سے دنیا کے ہر مسلم (بلکہ غیر مسلم تک) کے ذہن میں واضح غیر مبہم اور متعین تصور آ جاتا ہے کہ اس سے ہماری مراد کیا ہے۔ اور جب ہم عربی زبان کا کوئی فقرہ بولیں تو ہر شخص خواہ وہ دنیا کے ہر شخص میں نہیں بلکہ ڈاکٹر جیسا کہ انہی کے ذہن میں ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۲-۱۲۳ کی عبارت دیکھ کر ہر شخص خود بخود قائم کر سکتا ہے۔

کے کسی حصے میں کیوں نہ ہو بلاتامل و تردید بتا سکتا ہے کہ وہ قرآن کی آیت ہے یا نہیں۔ کیا اسی طرح "سنت" کی بھی کیفیت ہے؟ یہ تھا میرا سوال۔ آپ کسی غیر جانبدار سے پوچھیے کہ جس قدر طومار آپ نے نکھڑا ہے کیا اس سے میرے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے؟ میں آپ کی تحریروں سے جو کچھ اخذ کر سکا ہوں وہ یہ ہے کہ دل میں آپ بھی اے تسلیم کرتے ہیں کہ سنت کی یہ پوزیشن نہیں ہے لیکن اس کے اعتراف کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اور اپنی اس کمزوری کو طویل نویسی، طعن و تشنیع، استہزاء و استخفاف اور ابتذال اور بازاریت کے گھناؤنے پردوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ میرا مسلک نہ انکارِ سنت ہے اور نہ ہی میں نے پہلے سے کچھ فیصلہ کر کے آپ کی طرف رجوع کیا تھا۔ میرا مقصد تحقیقِ حق تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے جوابات میرے لیے اور الجھاؤ کا باعث بن گئے۔ مجھے اپنی تو فکر نہیں اس لیے کہ اس قسم کے الجھاؤ سے میرے ایمان پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ لیکن مجھے ان سادہ لوح مسلمانوں کی حالت پر ترس آتا ہے جو آپ کے دایم تزدیر کا شکار ہو کر باطل کو حق سمجھنے لگ گئے ہیں۔

براہِ کرم میرے اس خط کو ترجمان القرآن کی قریبی اشاعت میں شائع فرما دیجیے تاکہ اس کے فارمین تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ سکیں۔ لیکن اگر آپ اپنے میں اس کی اشاعت کی تمہت نہ پائیں تو مجھے مطلع فرمائیں تاکہ میں اس کی اشاعت کے لیے کوئی اور طریقہ اختیار کر سکوں۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس خط میں مجھے بعض مقامات پر اپنے انداز سے ہٹ کر گفتگو کرنی پڑی، یہ اس لیے

۱۔ اب یہ پوری مراسلت تعلیم یافتہ لوگوں کے مطالعہ کے لیے حاضر ہے۔ وہ خود ہی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ان کے ہر سوال کا واضح جواب دیا گیا ہے یا نہیں۔
۲۔ یہ صرف دوسروں کی تحریف و تفسیر پر مبنی ہے۔
۳۔ یہ صرف دوسروں کی تحریف و تفسیر پر مبنی ہے۔

کہ میں اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ جو شخص جس زبان میں بات کرے وہ دوسرے کی بات کو سمجھ نہیں سکتا۔ جب تک اس سے اس کی زبان میں گفتگو نہ کی جاتے۔

والسلام

مخلص

عبدالودود

مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۹۱ء

فتنہ انکار حدیث — اور — یزیم طلوع اسلام
بے نقاب

ماہر القادری مدیر فاران کی ایمان افروز اور باطل شکن تصنیف

قولِ مفصل

منکرین حدیث کے ایوانِ اور صیب زلزلہ پیدا کر دیا
مطمن کرنے والے عقلی اور نقلی دلائل، ایک ایک سطر ادب و انشاؤ
دینی فکر کا شاہکار، کتابت و طباعت دیدہ زیب، سرورق حسین و
جاذبِ نظر۔ تیرہ نئے پیسے کے ٹکٹ بھیج کر اس کتاب کو مفت منگوایئے۔
(ہندوستان اور دیگر ممالک کے شائقین کی مانگ آنے پر کتاب نہیں

مفت بھیج دی جائے گی۔)

ملنے کا پتہ: مہتمم مدرسۃ اسلام، گلبرگ، لاہور (پاکستان)،
© rasailojaraid.com

قرآن کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ

تفہیم القرآن

جسے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا — اور
جینے — ہزاروں لوگوں کے دل و دماغ کی کایا پلٹ دی -

جلد اول - سورہ فاتحہ - سورہ الانعام - ہدیہ قسم اول ۲۱ - ۲۵ { طبع چہارم
قسم عام ۱۶ - ۲۵

جلد دوم - سورہ الاعراف - سورہ بنی اسرائیل - ہدیہ قسم اول ۲۲ - ۷۵
ہدیہ قسم دوم ۱۸ - ۲۵

جلد سوم - سورہ الکہف - سورہ الروم - عنقریب شائع ہو رہی ہے - تیار ہوتے
ہی اعلان کر دیا جائے گا - انشاء اللہ

اس عظیم تاریخی کارنامے کو خوش آئند معیار طباعت کے ساتھ
مکتبہ تعمیر انسانیت - موچی دروازہ لاہور ۷
نے شائع کیا ہے ،

ضروری اعلانات

ہم نے اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، مکتبہ چراغ راہ کراچی، مکتبہ
تعمیر انسانیت لاہور اور دیگر اسلامی اداروں کی مطبوعات شائقین کو تہیہ کی جائیں۔ لہذا ضرورت مند
اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر آرڈر بھیج سکتے ہیں۔ میخبر شعبہ کتب دفتر ترجمان القرآن ایچ۔ لاہور

عدالت عالیہ مغربی پاکستان کا ایک اہم فیصلہ

(ترجمہ از ملک غلام علی صاحب)

[جناب جسٹس محمد شفیع صاحب جج مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جس فیصلے کے بشیر
حقہ کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے، یہ دراصل ایک اپیل کا فیصلہ ہے جس میں اصل مسئلہ زیر
بحث یہ تھا کہ ایک بیوہ اپنی نابالغ اولاد کی موجودگی میں اگر ایسے مرد سے نکاح ثانی کرے
جو اولاد کے لیے غیر محرم ہو، تو ایسی صورت میں آیا اس بیوہ کے لیے اس اولاد کی حضانت
کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اس امر تنازعہ فیہ کا فیصلہ کرتے ہوئے فاضل جج نے بڑی
تفصیل کے ساتھ ان اصولی مسائل پر بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے کہ اسلام میں قانون
کا تصور اور قانون سازی کا طریق کیا ہے، قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی مسلمانوں کے لیے
ماخذ قانون تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت
کہاں تک فقہ حنفی کے قواعد و ضوابط کی پابند سمجھی جاسکتی ہے؟ اس لحاظ سے یہ فیصلہ اسلامی
قانون کے اساسی اور اہم ترین مسائل کو اپنے دائرہ بحث میں لے آیا ہے۔

اس فیصلے کے جو حصے اصل مقدمے سے متعلق ہیں ان کو چھوڑ کر صرف اس کے اصولی
مباحث کا ترجمہ یہاں دیا جا رہا ہے بعض مقامات پر فیصلے میں جو قرآنی آیات نقل کی گئی
ہیں انہیں مع ترجمہ درج کرنے کے بجائے صرف سورتہ اور آیات کا نمبر دے دیا گیا ہے
یہ ترجمہ پی، ایل، ڈی، ۱۹۶۰ء، لاہور، صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۹ کے مطبوعہ متن کو سامنے رکھ کر

کیا گیا ہے۔ اصل اور مکمل فیصلہ © rasailojaraid.com غلام علی [

۴۔ بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ولی کا تقرر ضروری تھا اور گارڈینز انڈیا وارڈز ایکٹ کی دفعہ ۱۱ کا اطلاق اس مقدمے پر ہوتا تھا تب ایک بڑا فیصلہ طلب سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قانون کیا ہے جس کا ایک نابالغ پابند ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ نابالغان اور ان کے والدین مسلمان ہیں اور مسلم لا کے تابع ہیں لیکن اس سوال کا جواب آسان نہیں ہے کہ ولایت نابالغ کے معاملے میں وہ کونسا قانون ہے جس کی پابندی لازم ہے۔ تقریباً تمام کی تمام کتابیں جن میں سے بعض انتہائی مشہور و معروف اور قابل احترام قانون دانوں اور ججوں کی تصانیف ہیں، ایسے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہیں جن کی پابندی نابالغان کی ذات اور جائداد کی ولایت کے معاملے میں ایک عرصہ دراز سے ہندو پاکستان میں کی جا رہی ہے۔ درحقیقت ہندوستان کی جملہ عدالتیں بشمول سپریم کورٹ، برطانوی عہد قبل تقسیم سے لے کر اب تک ان قواعد کی سختی سے پابندی کرتی رہی ہیں اس امر کا امکان موجود ہے کہ برطانوی حکومت سے پہلے کے تباخی اور باہرین قانون بھی ان قواعد و ضوابط کی پیروی کرتے رہے ہوں اور بعد میں بھی ان کی پابندی کی جاتی رہی ہو، کیونکہ مسلمان قانون دان یہ نہیں چاہتے تھے کہ انگریز یا دوسرے غیر مسلم اپنے مقصد کے مطابق قرآن پاک کی تفسیر و تعبیر کریں اور قوانین بنائیں۔ فتاویٰ عالمگیری کو مسلم قانون سے تعلق رکھنے والے تمام معاملات میں جو اہمیت حاصل ہے وہ اس حقیقت کی صاف نشاندہی کرتی ہے لیکن اب حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ یہ قواعد و ضوابط مختصراً درج ذیل ہیں:

[اس کے بعد پیرا گراف ۴ کے بقیہ حصے اور پیرا گراف ۵ و ۶ میں فاضل

جج نے مسئلہ حضانت کے بارے میں حنفی، شافعی اور شیعہ فقہ کی تفصیلات بیان

فرمائی ہیں۔]

۷۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اصل تصفیہ طلب سوال یہ ہے کہ کیا کسی دے

کی قطعیت کے ساتھ ان قواعد کو اسلامی قانون کہا جاسکتا ہے جسے وہی لزوم کا مرتبہ حاصل ہو

جو ایک کتاب آئین میں درج شدہ قانون کو حاصل ہوتا ہے؛ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آیا یہ وہی قانون ہے جس کی پابندی گارڈینز اینڈ وارڈز ایکٹ کی دفعہ ۱ کے منشاء کے مطابق ایک مسلم نابالغ پر واجب ہے؟

۸۔ مسلمان کے عقیدے کی رُو سے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے جو قانون اس کی زندگی کے ہر شعبے میں حکمران ہونا چاہیے، خواہ وہ اس کی زندگی کا مذہبی شعبہ ہو یا سیاسی یا معاشرتی یا معاشی، وہ صرف خدا کا قانون ہے۔ اللہ ہی حاکم اعلیٰ ہے، علیم و حکیم ہے اور قادر مطلق ہے۔ اسلام میں خدا اور بندے کے مابین تعلق سادہ اور بلا واسطہ ہے۔ کوئی پیشوا، امام، پیر یا کوئی دوسرا شخص و خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، قبر میں ہو یا قبر سے باہر ہو، اس تعلق کے مابین وسیلہ بن کر حامل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ہاں پیشیہ و رانہ پیشواؤں کا کوئی ایسا ادارہ موجود نہیں جو اپنی معنت کی دھمکی دے کر اور خدا کے غضب کا اجارہ دے کر، اپنے مزعومات کو تحکم نہ انداز میں ہم پر ٹھونسے۔ قرآن نے جو حدود مقرر کر دیئے ہیں، ان کے اندر مسلمانوں کو سوچنے اور عمل کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اسلام میں ذہنی اور روحانی حریت کی فضا موجود ہے۔ چونکہ قانون انسانی آزادی پر پابندیاں عائد کرنے والی طاقت ہے اس لیے خدا نے قانون سازی کے اختیارات پوری طرح اپنے ہاتھ میں لیے ہیں۔ اسلام میں کسی شخص کو اس طرح کام کرنے کا اختیار نہیں ہے گویا کہ وہ دوسروں سے بالاتر ہے۔ قرآن انفرادیت پسندی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اسلام نے عالمگیر اخوت اور کامل مساوات کا سبق دے کر اپنے اخلاقی نظام کے اندر انسان پر سے انسان کے تفوق اور برتری کو بالکل ختم کر دیا ہے، خواہ وہ برتری علمی دائرے میں ہو یا زندگی کے دوسرے دائرے میں۔ دنیا بھر کے مسلمان نہیں تو کم از کم ایک ملک کے مسلمانوں کا ایک ہی ٹری میں پرویا جانا ضروری ہے۔ اسلامی ریاست میں ایسے شخص کا وجود ناممکن ہے جو مطلق المعناتی اور شاپنشاہانہ اختیارات کا مدعی ہو ایک اسلامی ریاست کے صدر کا کام بھی صحیح معنوں میں یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام و فرائین پر

عمل درآمد کرے۔ قرآن بلکہ اسلام اس تصور سے قطعاً نا آشنا ہے کہ ایک آدمی تمام مسلمانوں کے لیے قانون وضع کرے۔ قرآن مجید بتکدیر اور باصرہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ اور صرف اللہ ہی دنیا و آخرت کا بادشاہ ہے اور اس کے احکام آخری اور قطعی ہیں۔ سورۃ ۶: آیت، سورۃ ۱۲: آیت ۴۰ و ۶۷ میں فرمایا گیا ہے کہ حکمران صرف اللہ ہے۔ اسی طرح سورہ ۴۰: آیت ۱۲ میں فرمایا گیا ہے:

فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ

پس فیصلہ اللہ کے لیے ہے جو بزر اور بزرگ ہے۔

یہ بات سورۃ ۵۹: آیت ۲۳-۲۴ سے بھی واضح ہے کہ حاکم اعلیٰ اللہ کی ذات ہے۔

وہی اللہ ہے کہ نہیں کوئی الہ سوا اس کے۔ پادشاہ

ہے، پاک ہے، سلامتی والا ہے، امن دینے

والا ہے، نگہبان ہے، زبردست ہے، غالب

ہے اور برائی والا ہے۔ پاک ہے اُس سے جسے

وہ ترکیب کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہے، خالق ہے

بنانے والا ہے، صورت گری کرتا ہے۔ اُس کے

لیے ہیں اچھے نام۔ پاکیزگی بیان کرتی ہے اس کی

ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے

اور وہ زبردست و ناما ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ

الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ

الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ

عَمَّا يُشْرِكُونَ - هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ

الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ

لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ -

۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چاروں خلفاء کا عمل اس بات کی واضح شہادت فراہم

کرتا ہے کہ بادشاہت اسلام کے قطعاً منافی ہے، ورنہ اُن کے لیے اس سے آسان تر بات کوئی

نہیں تھی کہ وہ مسلمان قوم کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیتے۔ اگر وہ ایسا کر دیتے تو ان کے دعوے

کو فوراً تسلیم کر لیا جاتا کیونکہ ان کی صلاحیت، دیانت اور استقامت شک و شبہ سے بالاتر تھی۔

یہ بات بھی پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔ یقین رکھتے تھے اور نہ اس کا اعلان

ہی کرتے تھے کہ وہ اسلامی دنیا کے خود مختار اور مطلق العنان فرمانروا ہیں۔ وہ جو کام بھی کرتے تھے، دوسرے مسلمانوں کے باہمی مشورے سے کرتے تھے۔ تمام مسلمان ایک ہی برادری میں شریک تھے جو ان کے یا دوسرے لفظوں میں اسلامی عقیدے کا لازمی تقاضا تھا۔ اس عقیدے کا عین مزاج یہ تھا کہ انسان پر سے انسان کی فوقیت کا خاتمہ ہو گیا اور اجتماعی فکر اور اجتماعی عمل کے لیے دروازہ کھل گیا۔ نہ کوئی جاکم تھا نہ کوئی محکوم، نہ کوئی پرہیزگار تھا نہ کوئی پیر۔ ہر شخص امام بن سکتا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ اُسے اُن لوگوں کی پیروی کرنی پڑتی تھی جو تقویٰ یا کسی دوسرے لحاظ سے اُس پر فائق تھے۔ امیر معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اخوت اسلام پر ایک کاری نر لگائی اور اپنے لڑکے کو ریاست کا جانشین نامزد کر کے پوری قوم کو اپنے خاندان کے عوض میں گرو کر دیا۔ ہمارے جمہوریت پسند رسول کی وفات کے جلد ہی بعد اسلام کی لائی ہوئی جمہوریت کو امپیریا نیزم میں تبدیل کر دیا گیا۔ معاویہ نے نسلی خلافت کا آغاز کر کے اسلام کی جڑ پریشیہ رکھ دیا۔ محمد رسول اللہ اگرچہ اپنے بعض قرابت داروں سے بڑی محبت رکھتے تھے، لیکن انہوں نے ان میں سے کسی کو بھی اپنے بعد امت مسلمہ کا سربراہ مقرر نہیں کیا۔ ہمیشہ آپ کی روش نمایاں طور پر جمہوری رہی۔ معاویہ کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے نے ان کے حسبِ نشتا و خلافت پر غاصبانہ قبضہ جمایا اور خود نبی کے نواسے نے یزید کی اس خلافت و رزی قرآن کا سد باب کرنے کے لیے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں کو قربان کر دیا۔ یہ بنو امیہ کا پراپیگنڈا تھا کہ امام حسین نے اپنی جان اس لیے دی تاکہ وہ خلافت کے حق کو اہل بیت کے لیے محفوظ کر سکیں۔ یہ پراپیگنڈا بالکل جھوٹا تھا اور یہ عجیب بات ہے کہ شیعہ حضرات بھی اسی پراپیگنڈے کا از نکاب کیے جا رہے ہیں۔ بد قسمتی سے امام حسین کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہت اور استبداد مسلمانوں کے اندر ایک مستحکم قاعدے کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنے امیر کے انتخاب میں کوئی اختیار باقی نہ رہا اور اپنے معاملات کے کنٹرول میں ان کا کوئی دخل نہ رہا۔ معاویہ نے جس کام کا آغاز کیا اُس کا شاید کوئی فوری ختم نہ ہوا، لیکن آخر کار اس نے مسلم

سوسائٹی کے عسکت مندانه ارتقا اور نشوونما کوناگزیر طور پر متاثر کیا اور آج اقوام عالم کی برادری میں اس کی حیثیت ثانوی بن کر رہ گئی ہے۔

۱۰۔ قرآن مجید کی رُوسے مسلمانوں کا امیر صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو علمی اور جسمانی حیثیت سے اس منصب کے لیے موزوں ہو۔ اس سے صاف طور پر امارت کی نسلی بنیاد کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس معاملے میں مندرجہ ذیل آیات کا نقل کرنا مفید ہوگا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَأَتَىٰ نَبُوءُكَ لَنَا عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے ”ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا۔“ حالانکہ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے۔“ نبی نے کہا ”اللہ نے تمہارے مقابلے میں اس کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی اور جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔ اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔“

۱۱۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسلامی قانون کے ٹھیک ٹھیک مطابق قانون سازی اللہ اور صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ آدم سے لے کر اب تک اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین اپنے انبیاء اور رسولوں کے ذریعے سے نافذ فرمائے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ کی حکمت بالغہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ لوگوں کو آخری شریعت عطا کی جاتے۔ یہ قانون شریعت انساںوں کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ وحی مکمل لی گئی یا زبانی

یاد کر لی گئی اور بعد میں اسے ایک کتاب کی شکل میں جمع کر دیا گیا جو قرآن مجید کے نام سے معروف ہے۔ اس کے بعد نسل انسانی کے تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کے معاملات کا تصفیہ ان احکام کی روشنی میں کیا جاتا تھا جو اللہ نے قرآن میں ارشاد فرماتے۔ یہی احکام بتاتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے، کیا پسندیدہ ہے اور کیا غیر پسندیدہ ہے، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے، کیا مستحب ہے اور کیا مکروہ ہے۔ غرض قرآن مجید مسلم معاشرے کی ایک لازمی بنیاد ہے۔ یہ وہ مرکز و محور ہے جس کے گرد پورا اسلامی قانون گردش کرتا ہے۔

۱۱۔ (۱) یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ انسانوں پر مشتمل سوسائٹی ایک نہایت پیچیدہ شے ہے۔ اگرچہ فطرت ابدی و اندلی ارادے کے اظہار کا نام ہے اور یہ ایک ابدی قانون کے تابع ہے لیکن انسانی احوال و کوائف ہر زمانے اور ہر مقام کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ شخصیات اور مادی حالات کا اجتماع مستقبل کے واقعات کے لیے کوئی نمونہ نہیں رکھتا۔ انسان کے ہزار گونہ معاملات ہیں جن میں ہزار گونہ حالات و کوائف سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ ہر نتیجہ جو دنیا میں آئے، اپنے ساتھ خیالات کی ایک نئی دنیا لائے۔ ہر طلوع ہونے والا دن نئے اور غیر متوقع تغیرات کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اس دنیا میں چونکہ انسانی حالات اور مسائل بدلتے رہتے ہیں، اس لیے اس بدلتی ہوئی دنیا کے اندر مستقل، ناقابلِ تغیر تبدیل احکام و قوانین نہیں چل سکتے۔ قرآن مجید بھی اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے مختلف معاملات میں چند وسیع اور عام قاعدے انسانی ہدایت کے لیے دے دیئے ہیں۔ یہ ہمیں مجرد قواعد کا ایک کامل ترین نظام اور خیر و صلاح پر مبنی ایک ضابطہ اخلاق دیتا ہے۔ بعض خاص معاملات (مثلاً وراثت) میں یہ زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جن کا ذکر تمثیل و تبلیغ کے انداز میں کیا گیا ہے۔ بعض معاملات ایسے ہیں جن میں قرآن نے مکمل سکوت اختیار کیا ہے تاکہ ان معاملات میں انسان اپنا طرز عمل بدلنے کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق قرآن مجید میں بار بار اس بات پر زور

دیا گیا ہے کہ یہ نہایت سادہ زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ ہر ایک اسے سمجھ سکے۔ بعض آیات جن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے ان کا یہاں نقل کر دینا مفید ثابت ہوگا۔

[اس کے بعد فاضل حج نے سورہ ۲ آیت ۲۴۲، سورہ ۶ آیت ۹۹، سورہ

۶ آیت ۱۰۶، سورہ ۶ آیت ۱۲۷، سورہ ۱۱ آیت ۱، سورہ ۱۲ آیت ۲، سورہ

۱۵ آیت ۱، سورہ ۱۷ آیت ۸۹، سورہ ۱۷ آیت ۱۰۶، سورہ ۳۹ آیت ۲۸

سورہ ۵۴ آیت ۱۷، سورہ ۵۴ آیت ۲۲، سورہ ۵۷ آیت ۹، سورہ ۵۷

آیت ۱۷، سورہ ۵۷ آیت ۲۵، سورہ ۳۰ آیت ۵۸، سورہ ۴۱ آیت ۲۲

نقل کی ہیں، اور ان کا ترجمہ بھی ساتھ دیا ہے۔]

پس یہ امر بالکل واضح ہے کہ قرآن کا پڑھنا اور سمجھنا ایک دو آدمیوں کا مخصوص حق نہیں ہے۔ قرآن سادہ اور آسان زبان میں ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ تاکہ تمام مسلمان اگر چاہیں تو اسے سمجھ سکیں اور اس کے مطابق عمل کر سکیں۔ یہ ایک ایسا حق ہے جو ہر مسلمان کو دیا گیا ہے اور کوئی شخص، خواہ وہ کتنا ہی فاضل یا عالی مقام کیوں نہ ہو وہ مسلمان سے قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا حق نہیں چھین سکتا۔ قرآن مجید کو سمجھتے وقت ایک آدمی پرانے زمانے کے لائق مفسرین کی تفاسیر سے قیمتی انداز حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اس معاملے کو بس یہیں تک رہنا چاہیے۔ ان تفسیروں کو اپنے موضوع پر حرف آخر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ قرآن مجید کا پڑھنا اور سمجھنا خود اس امر کو متضمن ہے کہ آدمی اس کی تعبیر کرے اور اس کی تعبیر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اس کو وقت کے حالات پر اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضروریات پر منطبق کرے۔ اس مقدس کتاب کی جو تعبیریں قدیم مفسرین، مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی وغیرہ نے کی ہیں جن کا تمام مسلمان اور میں خود بھی انتہائی احترام کرتا ہوں، وہ آج کے زمانے میں جوں کی توں نہیں مانی جاسکتیں۔ ان کی تعبیرات کو درحقیقت دوسرے بہت سے فضلاء نے بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔

مختلف ارشادات کا جو غائر مطالعہ ان حضرات نے کیا تھا وہ ہم پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ اُن گرومپش کے حالات اور واقعات سے متاثر ہوئے ہیں جو اس زمانے میں ماحول پر طاری تھے، وہ ان مسائل کے بارے میں ایک خاص نتیجے تک پہنچے ہیں جو ان کے اپنے ملک یا زمانے میں درپیش تھے۔ آج سے بارہ یا تیرہ سو برس پہلے کے مفسرین کے اقوال کو حرفِ آخر مان لیا جائے تو اسلامی سوسائٹی ایک آہنی قفس میں بند ہو کر رہ جائے گی اور زمانے کے ساتھ ساتھ نشوونما کا اُسے موقع نہیں ملے گا۔ یہ پھر ایک ابدی اور عالمگیر دین نہیں رہے گا بلکہ جس زمان و مکان میں اس کا نزول ہوا تھا یہ اسی تک محدود رہے گا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اگر قرآن کو قی گئے بندھے ضوابط مقرر نہیں کرتا، تو امام ابو حنیفہ وغیرہ کی تشریحات کو بھی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ بالواسطہ اسی نتیجے کا باعث بنیں۔ بد قسمتی سے حالاتِ جدیدہ کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر کا دروازہ چند صدیوں سے بالکل بند کر دیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مسلمان مذہبی جمود، تہذیبی انحطاط، سیاسی پٹمردگی اور معاشی زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔ سائنٹفک ریسرچ اور ترقی جو ایک زمانے میں مسلمانوں کا اجارہ تھی وہ دوسرے کے ہاتھوں میں جا چکی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ کی مانند سو گئے ہیں۔ اس صورتِ حال کا خاتمہ لازمی ہے مسلمانوں کو بیدار ہو کر زمانے کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اجتماعی، معاشی اور سیاسی حیثیت سے جو بے بسی اور بے عملی مسلمانوں کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے اُس سے نجات حاصل کرنی پڑے گی۔ قرآن مجید کے عام اصولوں کو سوسائٹی کے بدلتے ہوئے تقاضوں پر منطبق کرنے کے لیے ان کی ایسی معقول اور دانشمندانہ تعبیر کرنی ہوگی کہ لوگ اپنی تقدیر اور اپنے خیالات اور اخلاقی تصورات کی تشکیل اس کے مطابق کر سکیں اور اپنے ملک اور زمانے کے لیے موزوں طریقے پر کام کر سکیں۔ دوسرے انسانوں کی طرح مسلمان بھی عقل اور ذہانت رکھتے ہیں اور بظاقت استعمال کرنے ہی کے لیے دی گئی ہے، بیکار ضائع ہونے کے لیے نہیں ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں علوم کو پورا اور اسی حاصل ہے کہ وہ اس بات پر غور و خوض

اور تحقیق کریں کہ نصوص قرآنی کا مدعا اور مفہوم عند اللہ کیا ہے اور اسے اپنے مخصوص احوال پر کس طرح چسپاں کیا جاسکتا ہے۔ پس تمام مسلمانوں کو قرآن پڑھنا، سمجھنا اور اس کی تعبیر کرنا ہوگا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ۔ (اور ان میں سے وہ ہیں جو تمہاری بات تکلف سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ تمہارے پاس سے نکل جاتے ہیں تو وہ ان لوگوں سے جنہیں علم دیا گیا ہے کہتے ہیں "کیا کہا ہے اُس نے ابھی؟" یہی لوگ ہیں جن کے دل پر اللہ نے ٹھپا لگا دیا ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے)۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (وہی ہے جس نے پیدا کیا اُمیوں میں ایک رسول ان میں سے جو تلاوت کرتا ہے ان پر اُس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت، حالانکہ وہ پہلے یقیناً گمراہ تھے)۔

لوگوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن میں تدبر کریں اور اپنے دلوں پر قفل نہ لگا دیں۔ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أُولَٰئِكَ الْآلِفَ رَبِّهِمْ كِتَابٌ رَازٍ۔ (یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقلمند نصیحت حاصل کریں)۔

لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن میں غور و فکر کریں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ جس طرح دنیا میں دیگر مقاصد کے حصول کی خاطر سخت جدوجہد کی ضرورت ہے، اسی طرح قرآن کو سمجھنے اور اس کے مدعا کو پانے کی سخت کوشش ہی کا نام اجتہاد ہے۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (جو کوئی سخت جدوجہد

کرتا ہے وہ اپنی جان کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بے نیاز ہے جہاں مالوں سے۔

دوبارہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ لوگ قرآن مجید کا مکمل اور صحیح علم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ حَتَّىٰ اِذَا جَاؤْا قَالْ اَلْكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عَلٰمًا اَمَّا ذَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
دیہان تک کہ جب وہ آجائیں گے وہ کہے گا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا، حالانکہ تم نے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا، یا تم کیا کر رہے تھے؟

وَجَاهِدُوْا فِیْ اللّٰهِ حَتّٰی جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِثْلَ حَرْجِ مِلَّةِ اِبْرٰهیمَ اَبْرٰهیمَ هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلِ وَفِیْ هٰذَا لَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شَهِدًا عَلٰی النَّاسِ فَاَقِمْوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوْا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰیكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ اور سخت کوشش کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کے لیے کوشش کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں چنا ہے اور نہیں بنائی تم پر دین کے معاملے میں تنگی، طریقہ تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے نام رکھا تمہارا مسلمین پہلے اور اس میں تاکہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو، پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑو تمہارا حامی و نگہبان ہے پس کیا ہی اچھا حامی اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

فَتَعَالٰی اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّقْضٰی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ وَذُلَّ رَیْبُ زِدْنِیْ عَلٰمًا دِیْنِ بہت بلند و برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی اور نہ جلدی کرو قرآن کے ساتھ قبل اس کے کہ پوری ہو جائے تمہاری طرف وحی اُس کی اور کہو اسے رب میرے، بڑھا مجھے علم میں۔

یہ تمام آیات اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ تمام مسلمانوں سے، نہ کہ ان کے کسی خاص طبقے سے، یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کریں، اسے اچھی طرح سمجھیں اور اس کی تعبیر کریں۔ تشریح و تعبیر کے لیے چند مستم اصولوں کی پابندی لازم ہے۔ ان اصولوں میں سے چند

(۱) قرآن مجید کے بعض احکام اہم اور بنیادی ہیں۔ ان کی خلاف ورزی ہرگز نہیں ہونی چاہیے بلکہ ان پر جوں کا توں عمل کرنا چاہیے۔

(۲) کچھ اور آیات ایسی ہیں جن کی نوعیت ہدایات کی ہے اور جن کی پیروی کرنا کم و بیش ضروری ہے۔

(۳) جہاں الفاظ بالکل سادہ اور واضح ہوں جو متعین اور غیر مبہم مفہوم پر دلالت کرتے ہوں وہاں الفاظ کے وہی معانی مراد لینے چاہیں جو لغت اور گرامر کی رو سے صحیح اور بنیاد ہوں۔ دوسرے لفظوں میں اس مقدس کتاب کے الفاظ کے ساتھ کسی طرح کی کھینچ تان و راہیں ہے۔ (۴) اس بات کو تسلیم کیا جانا چاہیے کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ بے معنی، متناقض یا زائد از ضرورت نہیں ہے۔

(۵) سیاق و سباق سے الگ کر کے کوئی معنی نہیں نکالنے چاہیں۔

(۶) شان نزول کے مطابق یعنی نزول قرآن کے وقت جو حالات درپیش تھے ان کے پس منظر میں رکھ کر قرآن کے معانی کی تشریح کرنا خطرناک ہے۔

(۷) قرآن کی تعبیر معقول (RATIONAL) ہونی چاہیے۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ اسے گہر و پیش کے احوال سے متاثر ہونے والے انسانی رویے سے متطابق ہونا چاہیے۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ نئے اور غیر متوقع حالات ہمیشہ رونما ہوتے رہتے ہیں۔ سوسائٹی کی ضروریات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، اور تشریح ان حالات و مقتضیات کی روشنی میں کی جانی ضروری ہے۔

(۸) زمان و مکان کے اختلاف کی بنا پر جو مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان میں مشابہت و عدم مشابہت کا باہمی موازنہ ہونا چاہیے۔ تقابل کرتے ہوئے ہمیں حالات و درجات کی رعایت کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور بعید و قریب کے حقائق کو جانچتے ہوئے ماضی سے حال کی جانب اس طرح پیش قدمی کرنی چاہیے کہ مفروضات و قیاسات اور غیر مطلق اور قابلِ ترک اعتقادات سب

۱۲ بدقسمتی سے اس دنیا میں کم از کم خلافت راشدہ کے بعد، کوئی ایسی صحیح اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی جس میں لوگوں نے پورے شعور و ارادہ اور باجمعی تعاون کے ساتھ قرآن مجید کی تعبیر کا کام کیا ہو۔ قرآن مجید کے مقرر کردہ اصول ابدی ہیں لیکن ان کا انطباق ابدی نہیں ہے کیونکہ انطباق ایسے حقائق و مقاصد کا مرکب بن جاتا ہے جو مسلسل تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اب اگر قرآن مجید کی ایک خاص نص کی ایک سے زائد تعبیرات ممکن ہوں اور ہر مسلمان کو اس بات کا حق دے دیا جائے کہ وہ اپنے فہم و ذوق کے مطابق تشریح کرے، تو اس کے نتیجے میں بے شمار تعبیرات وجود میں آکر ایک بد نظمی کا موجب بن جائیں گی۔ اسی طرح جن معاملات میں قرآن مجید ساکت ہے ان میں بھی اگر ہر شخص کو اُس کے نقطہ نظر کے موافق ایک غنا بظہ بنانے کا اختیار دے دیا جائے تو ایک پراگندہ اور غیر مربوط سوسائٹی پیدا ہو جائے گی۔ ہر دوسری سوسائٹی کی طرح اسلامی سوسائٹی بھی کم سے کم زحمت دہی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ افراد کو زیادہ سے زیادہ راحت و مسرت پیش کرتی ہے۔ اس لیے غلبہ اکثریت ہی کی رائے کو حاصل ہوگا۔

۱۳۔ ایک آدمی یا چند آدمی فطرۃ عقل اور قوت میں ناقص ہوتے ہیں۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی طاقتور اور ذہین ہو، اس کے کامل ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایک اعلیٰ درجے کا حساس اور صاحب نظر انسان بھی اپنے مشاہدے میں آنے والے جملہ امور کی اہمیت کا کما حقہ اندازہ نہیں کر سکتا۔ لاکھوں کروڑوں آدمی جو اجتماعی زندگی ایک نظم کے ساتھ بسر کر رہے ہیں اپنی اجتماعی حیثیت میں افراد کی بہ نسبت زیادہ عقل اور طاقت رکھتے ہیں۔ ان کی قوت مشاہدہ اور قوت منتخیہ مقابلۃ بہتر اور برتر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی رو سے بھی کتاب اللہ کی تعبیر اور حالات پر اس کے عام اصولوں کا انطباق ایک آدمی یا چند آدمیوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ بلکہ یہ کام مسلمانوں کے باہمی مشورے سے ہونا چاہیے۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ رواہ جنہوں نے اپنے رب کے بلاوے کا جواب دیا اور نماز قائم کی اور ان کا کام باہمی

مشورے سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں،
 وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ
 أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
 النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ (اور اللہ کی
 رستی کو مضبوط تھامیں اور تفرقہ مت پیدا کرو اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی جب تم
 تم دشمن، پس اُس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور ہو گئے تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی۔ اور
 تمھے تم آگ کے گڑھے کے کنارے پس بچایا اُس نے تم کو اس سے۔ اس طرح واضح کرتا ہے اللہ
 تمہارے لیے اپنی آیات، شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔)

اور بہت سی آیات میں بھی مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قرآن مجید کو سمجھنے کی اور اس کی
 آیات پر غور و فکر کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ کام انفرادی طور پر نہیں
 بلکہ اجتماعی طور پر سرانجام دیا جانا چاہیے۔

۱۴۔ اس سیاق و سباق کے اندر یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ”قانون“ کے لفظ کے معنی کیا
 ہیں؟ میری رائے میں قانون سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کے متعلق لوگوں کی اکثریت یہ خیال کرتی
 ہو کہ ان کے معاملات اس کے مطابق چلنے چاہئیں۔

۱۵۔ ابتدا میں نسل انسانی کی تعداد بہت قلیل اور منتشر تھی اور ان میں سے ہر شخص اپنی
 مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکتا تھا۔ بعد میں جب انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور انہیں گرد و
 کی شکل میں بسنے کی ضرورت پیش آئی، اس وقت اُن کے لیے ایک مشترک ضابطہ اخلاق کی
 حاجت بھی رونما ہوئی۔ مثال کے طور پر پچاس آدمیوں کی ایک جماعت میں قتل کا ارتکاب کیا
 گیا۔ اکثریت کے خیال کے مطابق یہ ایک غلط اور ناجائز کام تھا۔ چند افراد کے نزدیک شاید
 ایسا نہیں تھا۔ چونکہ اکثریت کے پاس طاقت تھی، اس لیے انہوں نے اپنی مرضی کو اقلیت
 پر مجبور نافذ کر دیا اور اسی کو قانون کا درجہ عطا کر دیا۔ گویا کہ ان پچاس آدمیوں میں سے کوئی

بھی قتل کا ترکیب نہیں ہوگا۔ یہ استدلال آج کل کے حالات کے لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ کئی کروڑ باشندوں کے ایک ملک میں باشندوں کی اکثریت کو قرآن کی اُن آیات کی جن کے اندر دو یا زائد تعبیروں کی گنجائش ہو، ایسی تعبیر کرنی چاہیے جو ان کے حالات کے لیے موزوں ترین ہو اور اسی طرح قرآن کے عام اصولوں کو حالات موجودہ پر منطبق کرنا چاہیے تاکہ فکر و عمل میں یکسانی و وحدت پیدا ہو سکے۔ اسی طرح یہ اکثریت کا کام ہے کہ ان مسائل و معاملات میں جن پر قرآن ساکت ہے، کوئی قانون بناتے۔ اس کے بعد جو سوال بحث طلب ہے وہ یہ ہے کہ کروڑوں انسان قرآن مجید کی تعبیر و انطباق اور مسکوت عنہا معاملات میں قانون سازی کے حق کو کس طرح استعمال کریں گے؟ ایک ملک کے حالات کو دیکھ کر اس امر کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کے لیے اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کی بہترین صورت کیا ہے جنہیں وہ اعتماد کے ساتھ اپنے اختیارات اور اظہار راستے کے حقوق تفویض کر سکیں۔ وہ فرد واحد کو بھی اپنا نمائندہ منتخب کر سکتے ہیں۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایک شخص کو مختار مطلق بنا دینے کے نتائج ہمیشہ مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ اقتدار کا نشہ فرد، جماعت اور قانون کی حکمرانی میں اختلال اور بگاڑ کا موجب ہوتا ہے اور جہاں اقتدار بلا قید اور مطلق ہو وہاں یہ سد گونہ فساد بھی اپنی آخری حد کو پہنچ جاتا ہے۔ ایک ملک کی تاریخ میں ایسے حالات پیش آسکتے ہیں جو ایک شخص کو مجبور کر دیں کہ وہ اصلاح احوال اور ملک کو تباہی سے بچانے کی خاطر عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیں یہ ایک ہنگامی صورت ہے جو جمہوریت کو بحال کرنے اور اختیارات کی امانت کو عوام کی طرف لوٹانے کے لیے قطعی طور پر جائز ہے۔ اس لیے صحیح اسلامی قانون کے مطابق اس امر کی بڑی اہمیت ہے کہ اختیارات متعدد افراد کے اندر منقسم ہوں تاکہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے روک تھام اور احتساب کا باعث ہو اور سب مل جل کر پوری قوم کی رہنمائی کے لیے قوانین و ضوابط وضع کر سکیں۔ حالات کا قدرتی اقتضاء یہ ہے کہ یہ جملہ اختیارات افراد عوام الناس کے سامنے مستول اور جوابدہ ہوں۔

© rasailojaraid.com

پروگرام کو کامیابی کے مراحل تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اسلام میں سارے مسلمان اقتدار کے یکساں طور پر حامل ہیں اور ان پر صرف اللہ کی بالادستی ہے۔ ان کے فیصلے آزاد شہریوں کی حیثیت سے اجتماعی اور مشترک طور پر کیے جاتے ہیں۔ اسی کا نام ”اجماع“ ہے۔

”اجتہاد“ قانون کا ایک مسلمہ مأخذ ہے۔ اس سے مراد کسی مشتبہ یا مشکل قانونی مسئلے میں راستے قائم کرنے کے لیے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو مکمل طور پر مصروف کار کرنا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے بڑے وسیع پیمانے پر ”اجتہاد“ کا استعمال کیا ہے۔ ”اجتہاد“ کی جن مختلف صورتوں کو امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہار کام میں لاتے ہیں وہ یہ ہیں: قیاس، استحسان، بتصلاح اور استدلال۔ مسلمان فقیہ فرد واحد یا چند افراد کے لیے ”اجتہاد“ کو خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ اس بات کو قابلِ ترجیح خیال کرتے تھے کہ کسی خاص قانونی مسئلے میں فقہاء اور مجتہدین کے اجماع یا کثرتِ رائے سے فیصلہ ہو۔ قدیم زمانے میں تو شاید یہ درست تھا کہ اجتہاد کو چند فقہاء تک محدود کر دیا جائے، کیونکہ لوگوں میں آزادانہ اور عمومیت کے ساتھ علم نہیں پھیلا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانے میں یہ فرضیہ باشندوں کے نمائندوں کو انجام دینا چاہیے، کیونکہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، قرآن مجید کا پڑھنا اور سمجھنا اور اس کے عام اصولوں کو حالات پر منطبق کرنا ایک یادداشت خاص کا مخصوص استحقاق نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کا حق اور فرض ہے اور یہ کام ان لوگوں کو انجام دینا چاہیے جنہیں تمام مسلمانوں نے اس مقصد کے لیے منتخب کیا ہو۔ لہذا یہ بات آپ سے آپ لازم آتی ہے کہ جن معاملات میں قرآن مجید کا حکم واضح ہو۔ وہ مسلمانوں کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے اور جہاں تک قرآن مجید کی تعبیر اور اس کے احکامات کو جزئیات پر چسپاں کرنے کا تعلق ہے، ان میں جو کچھ عوام کے منتخب نمائندے سمجھیں گے اُسے بھی قانون کا درجہ حاصل ہوگا۔

۱۶۔ اوپر جو نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے اُسے چند مثالوں سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ میں پہلے قرآن مجید کی سورہ نساء کی تفسیر کو دیکھوں گا جسے اکثر غلط استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ بہر کیف اس آیت سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ لزوم اور ہمبستی
دانت میں ریاست اس اجازت کو محدود کر سکتی ہے۔ اگر پچاس آدمیوں کی جماعت میں
سے اکثریت یہ قانون بنا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی قتل کا ارتکاب نہیں کرے گا، تو
اس مثال پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کے لیے یہ ممکن ہے کہ
وہ کہے کہ ”میں ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کروں گا، کیونکہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا“
تو آٹھ کروڑ مسلمانوں کی اکثریت بھی ساری قوم کے لیے یہ قانون بنا سکتی ہے کہ قوم کی معاشی
تمدنی یا سیاسی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کا کوئی فرد ایک سے زیادہ
بیویاں کرے۔ اس آیت کو قرآن مجید کی دوسری آیات کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔
پہلی آیت سورہ ۴ کی آیت ۴۴ ہے جس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو لوگ شادی کرنے کے
ذرائع نہ رکھتے ہوں ان کو شادی سے منع کی گئی ہے۔

ایک بیوی کرنے سے روکا جاسکتا ہے تو انہی وجوہ یا ایسے ہی وجوہ کی بنا پر اسے ایک زیادہ بیویاں کرنے سے روک دیا جانا چاہیے۔ شادی بیوی اور بچوں کے وجود پر متفقین ہے۔ اگر خاندان کی عدم کفالت کی صورت میں ایک شخص کے لیے نکاح ممنوع ہو سکتا ہے تو اسے امر پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اتنے ہی بچے پیدا کرے، جتنے پال سکے۔ اگر وہ خود تجدید نسل کر سکے تو ریاست کو اس کے لیے یہ کام کرنا چاہیے۔ اس اصول کا وسیع پیمانے پر اطلاق کرتے ہوئے، مثلاً اگر کسی ملک کی غذائی حالت خراب ہو اور بڑھ کر کثرت کی حاجت ہو تو ریاست کے لیے یہ قانون بنانا بالکل جائز ہو گا کہ کوئی شخص ایک سے زائد بیوی نہ رکھے اور ایک بھی صرف اس صورت میں رکھے جبکہ وہ اپنے کنبے کی ضروریات فراہم کر سکتا ہو اور بچے بھی ایک خاص حد تک رکھے۔ مزید برآں آیت مذکورہ بالا میں خاص طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر ایک مسلمان ڈرتا ہو کہ وہ دو بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکے گا، تو وہ صرف ایک بیوی سے شادی کرے۔ آگے سورہ ۴، آیت ۱۲۹ میں اللہ نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا انسانی ہستیوں کے بس میں نہیں ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ الْاِنْسَاءِ وَلَوْ حَبَصْتُمْ فَلَا تَمْلِكُوْا اَكْلَ الْمَلِیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُحَلَقَةِ وَاَنْ تَصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ رقم ہرگز بہ استطاعت نہیں رکھتے کہ عدل کر سکو عورتوں کے درمیان خواہ تم اس کے کیسے ہی خواہشمند ہو پس ایک سے کامل بے رخی اختیار نہ کرو کہ اُسے ایسا چھوڑ دجیے وہ ٹکی ہوئی ہو اور اگر تم اصلاح کرو اور بچو (برائی سے) تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یہ ریاست کا کام ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تطبیق دینے کے لیے ایک قانون بنائے اور ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر پابندیاں عائد کرے۔

۱۸۔ ریاست یہ کہہ سکتی ہے کہ دو بیویاں کرنے کی صورت میں چونکہ ساہا سال کے

تجربات سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ دو بیویاں کے لیے ایک قانون بنانا چاہیے کہ دو بیویوں کے

ساتھ یکساں بنانا ناممکن ہے، لہذا یہ طریقہ ہمیشہ کے لیے ختم کیا جاتا ہے۔ یہ تین آیات عام اصول بیان کرتی ہیں۔ ان عام اصولوں کا انطباق ریاست کو اپنی نگرانی میں کرنا چاہیے۔ ریاست لوگوں کو ایک سے زیادہ شادی کر کے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو تباہ کرنے سے بچا سکتی ہے۔ قومی اور ملکی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ جب کبھی ضرورت محسوس ہو شادی پر پابندی عائد کر دی جائے۔

۱۹۔ چوری کے معاملے میں سورہ ۵، آیت ۳۸ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ چور مردوں اور چور عورتوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے جرم کی عبرت ناک سزا ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۳۹ یہ بتاتی ہے ”جو کوئی اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو یقیناً اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے“۔ پس عام اصول یہ ہے کہ چوری کی زیادہ سے زیادہ سزا قطع یہ ہے لیکن یہ طے کرنا ریاست کا کام ہے کہ چوری کیا ہے اور کونسی چوری کی کیا سزا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ریاست کو لوگوں کے لیے قرآنی احکام پر مبنی قواعد و ضوابط بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ یہ اختیارات بہت وسیع ہیں اور منظم عملی پروگرام نافذ کرنے کے لیے ان کا آزادانہ استعمال ہونا چاہیے۔

۲۰۔ مہندہ پاکستان میں ختنی کتا ہیں بھی قانونی لحاظ سے مستند تسلیم کی جاتی ہیں، ان میں اولاد و سنار کے متعلق بیان کردہ اصول قرآن مجید پر مبنی نہیں ہیں۔ اس مقدس کتاب میں جو احکام نابالغ بچوں سے متعلق ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کیے جا رہے ہیں :

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ بَوْلِدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَ فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْرِضُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا تَحَرَّمْتُمْ مَالَكُمْ اللَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا

اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تَنْضَرُوهُنَّ لِيَنْضَيْقُوا عَلَيْهِنَّ وَقَدْ
اِنَّ كُنَّ اُولَاتٍ حَمِيْلٍ فَلْيُفَقُّوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَرْضَعْنَ حَمْلَهُنَّ يَٰۤاَنۡ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاَرْضَعْنَ
اُجُوْرَهُنَّ وَاَتِمُّوْا بَيْنَكُمْ بِعَمْرُوْٓنَ وَاِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَسْتَزۡصِعْ لَہٗ اٰخَرٰی رَہۡبَرًا وَاٰیٰتِہٖ
جہاں نم ٹھہرے ہو اپنے وسائل کے مطابق اور انہیں نقصان نہ پہنچاؤ تاکہ ان پر تنگی کرو اور اگر حمل
والی ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے پھر اگر وہ تمہارے لیے دودھ
پلائیں تو دوا نہیں ان کے معاوضے اور مشورہ کر لو آپس میں معروف کے مطابق اور اگر باہمی
اختلاف ہو تو دوسری عورت اُسے دودھ پلائے۔

ان آیات کی رو سے ماؤں کو پرہیز دو سال تک بچوں کو دودھ پلانا ہوگا۔ باپ کو سارے اخراجات برداشت کرنے ہونگے جن میں نظر بظاہر بچے اور والدہ دونوں کے اخراجات شامل ہیں۔ اس سے شیعہ قانون کی تائید ہوتی ہے جس کی رو سے لڑکے کے معاملے میں والدہ کا حق حضانت دو سال ہے۔ لیکن حضانت کے مسئلے میں لڑکے اور لڑکی کے مابین جو تمیز قائم کی جاتی ہے، اس کے حق میں مجھے قرآن سے کوئی وجہ جواز فراہم نہیں ہو سکی۔ قرآن مجید والدین میں سے ہر دو پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ بچے کی پرورش کریں۔ بچے سے محروم نہ

والد کو کیا جاسکتا ہے اور نہ والدہ کو۔ بہر کیف قرآنی مجید میں ایسی کوئی ہدایت نہیں کہ ایک عورت طلاق پا کر اگر دوسری شادی کر لے تو پہلا شوہر اس سے اپنا بچہ لے سکتا ہے۔ اگر محض اس بنا پر کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے، وہ بچہ سے محروم ہو سکتی ہے تو میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ ایک مرد دوسری شادی کر لینے کی صورت میں کیوں نہ اپنے بچے سے محروم ہو۔ سوتیلی ماں اگر سوتیلے باپ سے زیادہ نہیں تو کم از کم اُس کے برابر تکلیف دہ اور خطرناک ضرور ہے۔ بہر حال نابالغوں کے متعلق قانون بنا کر ریاست کا کام ہے کیونکہ قرآن اس بارے میں قطعاً ساکت ہے۔ گارڈینز انڈیا وارڈز ایکٹ کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ نابالغان کے معاملات اس کے تابع ہیں۔ پاکستان کی اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد ملک کے منتخب نمائندوں نے اس قانون کو منظور کر لیا تھا۔ لیکن اس قانون میں بھی اس بارے میں کوئی واضح اور متعین ضابطہ نہیں ہے کہ والدہ کے نکاح ثانی کے بعد نابالغ بچے کا حق حضانت کسے حاصل ہوگا۔ قرآن اور اس ایکٹ دونوں کے مطابق واحد قابل لحاظ امر بچے کی فلاح و بہبود ہے۔ اگر بچے کی فلاح و بہبود کا تقاضا یہ ہو کہ بچہ والدہ کے پاس رہے، تو والدہ کے نکاح ثانی کے باوجود بچہ اسی کی تحویل میں رہنا چاہیے۔ ہر مقدمے کا فیصلہ اس کے خاص حالات و کوائف کی بنا پر ہوگا۔

۲۱۔ قرآن کے علاوہ حدیث یا سنت کو بھی مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اسلامی قانون کا ایک اتنا ہی اہم ماخذ سمجھ لیا ہے۔ متعین مفہوم کے مطابق حدیث سے مراد محمد رسول اللہ کا قول ہے۔ لیکن عام طور پر حدیث سے مراد رسول کا قول و عمل لیا جاتا ہے جسے آپ نے پسند یا ناپسند فرمایا یا ناپسند نہیں فرمایا۔ اسلامی قانون کا ماخذ ہونے کی حیثیت سے حدیث کی قدر و قیمت کیا ہے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ رسول پاک کا مرتبہ و مقام اسلامی دنیا میں کیا ہے؛ میں اس فیصلے کے ابتدائی حصہ یہ بتا چکا ہوں کہ اسلام ایک خدائی دین ہے۔ یہ اپنی سند خدا اور صرف خدا ہی سے حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ اسلام کا صحیح تصور ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ نبی کے اقوال و اعمال اور کردار

کو خدا کی طرف سے آئی ہوتی وحی کی سی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ زیادہ سے زیادہ ان سے یہ معلوم کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے کہ مخصوص حالات میں قرآن کی تعبیر کس طرح کی گئی تھی، یا ایک خاص معاملہ میں قرآن کے عام اصولوں کو خاص واقعات پر کس طرح منطبق کیا گیا تھا۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ محمد رسول اللہ ایک کامل انسان تھے۔ نہ کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ جس عزت و تکریم کے مستحق ہیں یا جس عزت و تکریم کا ہم ان کے لیے اظہار کرنا چاہتے ہیں، اس کے اظہار کی قوت و قابلیت وہ رکھتا ہے۔ لیکن بائیں ہمہ وہ خدا نہ تھے، نہ خدا سمجھے جاسکتے ہیں۔ دوسرے تمام رسولوں کی طرح وہ بھی انسان ہی ہیں۔ (اس کے بعد فاضل حج نے سورۃ ۱۲: آیت ۱۰۹، سورۃ ۴: آیت ۱۱۰، سورۃ ۲: آیت ۱۲۲، سورۃ ۷: آیت ۱۸۸، سورۃ ۴۱: آیت ۶، سورۃ ۱۵: آیت ۵۱ مع ترجمہ نقل کی ہیں۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد فاضل حج فرماتے ہیں):

اُن کو اللہ کے احکام کی پابندی اسی طرح کرنی پڑتی تھی جس طرح ہمیں کرنی پڑتی ہے، بلکہ شاید اُن کی ذمہ داریاں قرآن مجید کی رُو سے ہماری ذمہ داریوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھیں۔ وہ مسلمانوں کو اس سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتے تھے جتنا کچھ کہ اُن پر نازل ہوا تھا۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ - إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (اے رسول! پہنچا دو جو کچھ نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں بچائے گا لوگوں سے۔ یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا کافروں کی قوم کو)۔

۲۲۔ میرے لیے اس بات پر زور دینے کی خاطر قرآن مجید کی آیات نقل کرتے جانا غیر ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ اگرچہ بڑے عالی مرتبہ انسان تھے مگر ان کو خدا کے بعد دوسرا درجہ ہی دیا جاسکتا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ان کے پاس خدا کی طرف

سے آتی تھی، وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام کرتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں کیا، مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور یہ حقیقت خود قرآن میں تسلیم کی گئی ہے:

لِيُخَفِّ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا۔ (تاکہ اللہ بخش دے تیری اگلی پچھلی خطاؤں کو اور اپنی نعمت تمام کرے تم پر اور راہنمائی کرے تمہاری سیدھے راستے کی طرف)۔

ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن میں یہ بیان ہوا ہے کہ محمد رسول اللہ دنیا کے لیے ایک بہت اچھا نمونہ ہیں، مگر اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک آدمی کو ویسا ہی ایماندار، ویسا ہی راستباز، ویسا ہی سرگرم اور ویسا ہی دیندار اور متقی ہونا چاہیے جیسے وہ تھے، نہ یہ کہ ہم بھی بعینہ اسی طرح سوچیں اور عمل کریں جس طرح وہ سوچتے اور عمل کرتے تھے، کیونکہ یہ تو غیر فطری بات ہوگی اور ایسا کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے اور اگر ہم ایسا کرنے کی کوشش کریں تو زندگی بالکل ہی مشکل ہو جائے گی۔

۲۳۔ یہ بھی صحیح ہے کہ قرآن پاک اس کی تاکید کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ کی اطاعت کی جائے مگر اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جہاں انہوں نے ہم کو ایک خاص کام ایک خاص طرح کرنے کا حکم دیا ہے، ہم وہ کام اسی طرح کریں۔ اطاعت تو ایک حکم ہی کی ہو سکتی ہے۔ جہاں کوئی حکم نہ ہو وہاں نہ اطاعت ہو سکتی ہے نہ عدم اطاعت۔ قرآن کے ان ارشادات سے یہ مطلب اخذ کرنا بہت مشکل ہے کہ ہم ٹھیک وہی کچھ کریں جو رسول نے کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک فرد واحد کے زمانہ حیات کا تجربہ و واقعات کی ایک محدود تعداد سے زیادہ کے لیے نظائر فراہم نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ فرد واحد نبی ہی نہیں ہو۔ اور یہ بات پورے زور کے ساتھ کہی جانی چاہیے کہ اسلام نے نبی کو کبھی خدا نہیں سمجھا ہے۔ یہ بالکل واضح بات ہے کہ قرآن اور حدیث میں جو ہماری اور حقیقی فرق ہے۔ جہاں تک ان سوالات کا تعلق ہے کہ ایک قوم کے لیے خاص معاملہ

میں ضابطہ اخلاق کیا ہوا اور ایک خاص مقدمے کا فیصلہ کس طرح ہو، انہیں انصاف اور موجود حالات کے تقاضوں ہی کے مطابق طے کیا جاسکتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا۔ رَقِيقًا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں اور جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو عدل کے ساتھ۔ یقیناً اللہ بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں۔ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اداعرض

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمُ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصْرِوْكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (بہت جھوٹ سننے والے اور حرام خور ہیں، پس اگر تمہارے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کرو یا اعراض کرو ان سے اور اگر تم ان سے منہ پھیرو تو تمہارا کچھ بگاڑ نہیں لیں گے اور اگر تم فیصلہ کرو تو فیصلہ کرو ان کے درمیان عدل سے۔ اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ۔ (پس اس طرف بلاؤ اور سیدھے رہو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اور مت پیروی کرو ان کی خواہشات کی اور کہو ایمان لایا میں اُس پر جو کچھ اللہ نے نازل کیا کتاب سے اور حکم دیا گیا ہے مجھے کہ میں عدل کروں تمہارے مابین۔ اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ جمع کرے گا ہمیں اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔)

انفرادی اور قومی معاملات کا تصفیہ کرنے کے لیے ہم زمان و مکان کے اختلافات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

۲۴۔ کوئی مستند شہادت ایسی موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ خلفائے اربعہ محمد رسول اللہ کے اقوال و افعال اور کردار کو کیا اہمیت دیتے تھے؛ لیکن بحث کی خاطر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ افراد کے معاملات اور قومی اہمیت رکھنے والے مسائل کا فیصلہ کرنے میں حدیث کا بڑے وسیع پیمانے پر استعمال کرتے تھے، تو وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے کیونکہ وہ ہماری بہ نسبت بجاظ زمانہ بھی اور بجاظ مقام بھی محمد رسول اللہ سے قریب تر تھے۔ مگر ابو حنیفہ نے جو سنہ میں پیدا ہوئے اور شتر سال بعد فوت ہوئے، تقریباً ۱۱۰ احادیث ان مسائل کا فیصلہ کرنے میں استعمال کیں جو ان کے سامنے پیش کیے گئے۔ غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ رسول اللہ کے زمانے سے اس قدر قریب نہیں تھے جتنے پہلے چار خلفاء تھے۔ انہوں نے اپنے تمام فیصلوں کی بنیاد قرآن کی مکتوب ہدایات پر رکھی اور متن قرآن کے الفاظ کے پیچھے ان محرکات کو تلاش کرنے کی کوشش کی جو ان ہدایات کے موجب تھے۔ وہ استدلال و استنباط کی بڑی قوت رکھتے تھے۔ انہوں نے عملی حقائق کی روشنی میں قیاس کی بنیاد پر قانون کے اصول و نظریات مرتب کیے۔ اگر ابو حنیفہ یہ حق رکھتے تھے کہ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کی تعبیر موجود اوقات حالات کی روشنی میں کریں تو دوسرے مسلمانوں کو یہ حق دینے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید کی تفسیر اور مقدمات کے فیصلے میں ابو حنیفہ کے اقوال کو حرف آخر ان کے شاگردوں اور پیروؤں نے بھی نہیں مانا۔ وہ بہر حال ایک انسان تھے اور غلطی کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے فرد واحد کی رائے پر انحصار صحیح نہیں ہے۔ ایک قوم کے لیے صرف ان آراء و قوانین کی پابندی لازمی ہو سکتی ہے جو اس کے منتخب نمائندوں نے بالاجماع طے کیے ہوں۔ ابو حنیفہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ سوسائٹی کو جن قواعد و قوانین کی حاجت ہے وہ سب نہیں بلکہ ان میں سے چند ایک ہی قرآن میں موجود ہیں۔ اس کے لیے اس کے سامنے بعض کی رائے یہ تھی کہ

ہر متنبط قانون قرآن میں مضمّن تھا اور ان کے استنباط کی حیثیت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جو کچھ قرآن کے اندر مخفی تھا اُسے وہ منظر عام پر آئے ہیں۔ میں اس معاملے میں جو بڑا متنازعہ فیہ ہے، اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ آج کل جبکہ ہم ایک منظم اور منضبط دنیا میں جی رہے ہیں اور ہر طرح کی حکیمانہ تحقیق کی سہولتیں ہمیں حاصل ہیں یہ ٹھیک وقت ہے کہ ہم حدیث کے مآخذ قانون ہونے کی حیثیت کا جائزہ لیں، نیز اس مسئلے پر بھی غور کریں کہ آیا امام ابو حنیفہ یا ان جیسے دیگر عالی مرتبت فقہاء کے اقوال کی پابندی ہم پر لازم ہے یا حاضر و افعی حالات کی روشنی میں ہمارے لیے بھی قیاس و استنباط کا حق بحال کیا جاسکتا ہے؟

۲۵۔ تمام فقہائے اسلام اس بات کو بالاتفاق مانتے ہیں کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا جبعلی حدیثوں کا ایک حجم غفیر اسلامی قوانین کا ایک جائز و مسلم مآخذ بنتا چلا گیا۔ جھوٹی حدیثیں خود محمد رسول اللہ کے زمانے میں ظاہر ہوئی شروع ہو گئی تھیں۔ جھوٹی اور غلط حدیثیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں روایت حدیث پر پابندیاں لگا دیں بلکہ اس کی ممانعت کر دی۔ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اس بات سے انکار کرے گا کہ جس طرح قرآن کو محفوظ کیا گیا اُس طرح کی کوئی کوشش رسول اللہؐ نے اپنے عہد میں احادیث کو محفوظ کرنے کے لیے نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس جو شہادت موجود ہے وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہؐ نے سختی کے ساتھ احادیث کو محفوظ کرنے سے منع کیا تھا۔ اگر مسلم کی روایات صحیح ہیں تو محمد رسول اللہؐ نے پوری قلعیت کے ساتھ لوگوں کو اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے اقوال اور افعال کو لکھیں۔ انہوں نے حکم دیا تھا کہ جس کسی نے ان کی احادیث کو محفوظ کر رکھا ہو وہ انہیں فوراً ضائع کر دے۔ لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن علیہ وجہ واحد کوا ولا حرج۔ اسی حدیث یا ایسی ہی

ایک حدیث کا ترجمہ مولانا محمد علی نے اپنی کتاب ”دین اسلام“ کے ایڈیشن ۱۹۳۶ء میں صفحہ ۶۲ پر ان الفاظ میں دیا ہے: ”روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کہا رسول خدا ہمارے پاس آئے اس حال میں کہ ہم حدیث لکھ رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا تم لوگ کیا لکھ رہے ہو۔ ہم نے کہا حدیث جو ہم آپ سے سنتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ کیا! اللہ کی کتاب کے سوا ایک اور کتاب؟ اس امر کی بھی کوئی تہادت موجود نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ کے فوراً بعد جو چاہیں ہوئے ان کے زمانے میں احادیث محفوظ یا مرتب کی گئی ہوں اس امر واقعہ کا کیا مطلب لیا جانا چاہیے؟ یہ گہری تحقیقات کا طالب ہے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد رسول اللہ اور ان کے بعد آنے والے چاروں خلفاء نے احادیث کو محفوظ کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ یہ احادیث عام انطباق کے لیے نہیں تھیں؛ مسلمانوں کی بڑی اکثریت نے قرآن کو حفظ کر لیا۔ وہ جس وقت وحی آتی تھی، اس کے فوراً بعد کتابت کا جو سامان بھی میسر آتا تھا اس پر لکھ لیا جاتا تھا اور اس غرض کے لیے رسول کریم نے متعدد تعلیم یافتہ اصحاب کی خدمت حاصل کر رکھی تھیں۔ لیکن جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ نہ یاد کی گئیں نہ محفوظ کی گئیں۔ وہ ان لوگوں کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں جو اتفاقاً کبھی دوسروں کے سامنے ان کا ذکر کرنے کے بعد مر گئے، یہاں تک کہ رسول کی وفات کے چند سو برس بعد ان کو جمع اور مرتب کیا گیا۔ میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ یہ معلوم کرنے کے لیے ایک مکمل اور منظم ریسرچ کی جائے کہ عربوں کے حیرت انگیز حافظے اور زبردست قوت یادداشت کے باوجود آیا احادیث کو موجودہ شکل میں قابل اعتماد اور صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ یہ اعتراف کیا جاتا ہے کہ بعد میں پہلی مرتبہ رسول اللہ کے تقریباً ایک سو سال بعد احادیث کو جمع کیا گیا مگر ان کا ریکارڈ اب قابل حصول نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کو حسب ذیل اصحاب نے جمع کیا۔ امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ)۔ امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ)۔ ابو داؤد (متوفی ۲۶۴ھ)۔ جامع ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)۔ سنن نسائی (متوفی ۳۰۳ھ)۔ سنن ابن ماجہ (متوفی ۲۶۳ھ)۔ سنن الدیلمی

(متوفی ۸۱ھ) - بیہقی (ولادت ۸۴ھ) - امام احمد (پیدائش ۶۴ھ) - شیعہ حضرات جن جامعین حدیث کے مجموعوں کو مستند سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں: ابو جعفر (۲۹ھ) - شیخ علی (۳۸۱ھ) - شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین (۲۶۶ھ) - سید الرضی (۲۰۶ھ) - ظاہر ہے کہ یہ مجموعے امام بخاری وغیرہ کے مجموعوں سے بھی بعد میں مرتب کیے گئے۔ ایسی بہت کم احادیث ہیں جن میں یہ جامعین حدیث متفق ہوں۔ کیا یہ چیز احادیث کو انتہائی مشکوک نہیں بنا دیتی کہ ان پر اعتماد کیا جاسکے؟ جن لوگوں کو تحقیقات کا کام سپرد کیا گیا ہو وہ ضرور اس بات پر نگاہ رکھیں گے کہ ہزار در ہزار جعلی حدیثیں پھیلائی گئی ہیں تاکہ اسلام اور محمد رسول اللہ کو بدنام کیا جاسکے۔ انہیں اس بات کو بھی نگاہ میں رکھنا ہوگا کہ عربوں کا حافظہ خواہ کتنا ہی قوی ہو، کیا صرف حافظہ سے نقل کی ہوئی باتیں قابل اعتماد سمجھی جاسکتی ہیں؟ آخر آج کے عربوں کا حافظہ بھی تو ویسا ہی ہے جیسے تیرہ سو برس پہلے ان کا حافظہ رہا ہوگا۔ آج کل عربوں کا حافظہ جیسا کچھ ہے وہ ہمیں یہ راستے قائم کرنے کے لیے ایک اہم سرانجام کا کام دے سکتا ہے کہ جو روایات ہم تک پہنچی ہیں کیا ان کے صحیح اور حقیقی ہونے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ عربوں کے مبالغے نے، اور جن راویوں کے ذریعے سے یہ روایات ہم تک پہنچی ہیں ان کے اپنے معتقدات اور تعصبات نے بھی ضرور بڑی حد تک نقل روایت کو مسخ کیا ہوگا۔ جب الفاظ ایک ذہن سے دوسرے ذہن تک پہنچتے ہیں، وہ ذہن خواہ عرب کا ہو یا کسی اور کا، بہر حال ان الفاظ میں ایسے تغیرات ہو جاتے ہیں جو ہر ذہن کی اپنی ساخت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہر ذہن ان کو اپنے طرز پر موڑتا توڑتا ہے، اور جبکہ الفاظ بہت سے ذہنوں سے گزر کر آئے ہوں تو ایک شخص تصور کر سکتا ہے کہ ان میں کتنا بڑا تغیر ہو جائے گا۔ ہمیں اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ فطرت انسانی ہر جگہ کیساں ہے۔ اللہ نے انسان کو ناقص بنایا ہے اور بشری مشاہدہ انتہائی خام اور کمزور ہے۔

۲۶۔ ایک شخص اگر حدیث کے مجموعوں کا مطالعہ کرے تو ان میں کم از کم بعض حدیثیں ایسی بھی موجود ہیں جنہیں داخلی شہادت کی بنا پر صحیح ماننا مشکل ہے۔

لے اس سے آگے فاضل حج نے جو احادیث مع ترجمہ درج کی ہیں وہ فضل الکبیر صاحب کے انگریزی ترجمہ مشکوٰۃ

عن عطاء انه قال دخلت على عائشة فقلت اخبرينا باعجب ما رايت من رسول الله صلعم فيكثرت وقالت وای شانہ لم يكن عجبا - اتاني في ليلة فدخل معي في فراشي ولوقالت في لحافى حتى مس جلدى جلده ثم قال يا ابنة ابي بكر ذريني اتعبد لربى قلت انى احب قربك لكن اوثر هواك فاذنت له فقام الى قربة ماء فتوضا فلم يكثر صب الماء ثم قام يصلى فبكى حتى سالت دموعه على صدره ثم ركع فبكى ثم سجد فبكى ثم رفع رأسه فبكى فلم ينزل كذا لك بكي حتى جاء بلال فاذه بالصلوة فقلت يا رسول الله ما يبكيك وقد غفر الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر قال افلا

اکون عبداً شکوڑا۔ عطاء سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت عائشہ کے پاس گیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سب سے زیادہ پسندیدہ اور عجیب بات دیکھی ہو وہ بتائیں۔ حضرت عائشہ رو دیں اور فرمایا: آنحضرت کی کونسی حالت عجیب اور خوش کن نہیں تھی۔ ایک رات آپ تشریف لائے اور میرے ساتھ میرے بستر یا لحاف میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ میرے بدن نے آپ کے بدن کو چھو لیا۔ پھر فرمایا: اے ابوبکر کی بیٹی، مجھے اپنے رب کی عبادت کرنے دو۔ میں نے عرض کیا: مجھے آپ کا قرب پسند ہے لیکن میں آپ کی خواہش کو قابلِ ترجیح سمجھتی ہوں۔ پس میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ پانی کے ایک مشکیزے کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے وضو کیا اور زیادہ پانی نہیں بہایا۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور اتنے روتے کہ آپ کے آنسو آپ کے سینہ مبارک پر بہ نکلے پھر آپ نے

”الحديث“ جلد اول طبع ۱۹۳۸ء سے جوں کی توں نقل کر دی گئی ہیں۔ ان احادیث کی عبارت اور ان کے ترجمے میں متعدد مقامات پر سخت غلطیاں موجود ہیں۔ اصل مشکوٰۃ سے مراجعت کے بعد ہم نے حتیٰ الوسع ان غلطیوں کی اصلاح کر دی ہے۔ (دخ)

۱۔ اس فقرے کا ترجمہ اصل نصیصے کے متن میں یوں کیا گیا ہے: ”اس سے زیادہ عجیب اور پسندیدہ بات کون سی ہوگی“ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

۲۔ اس فقرے کا ترجمہ نصیصے میں یوں: ”مجھے پھر وہی عبادت کر دی“ یہ ترجمہ درست نہیں۔

روتے ہوئے رکوع کیا پھر روتے ہوئے سجدہ کیا، پھر روتے ہوئے سر اٹھایا۔ آپ مسلسل اسی طرح روتے رہے یہاں تک کہ بلال آتے اور انہوں نے نماز رکاوٹ ہو جانے کی خبر دی میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول: آپ کیوں روتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے۔ آنحضور نے فرمایا: تو کیا میں ایک شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبل بعض ازواجه ثم يصلي ولا يتوضأ و حضرت عائشہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے تھے اور پھر وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔

عن ام سلمة قالت قالت أم سليم يا رسول الله! إن الله لا يستحي من الحق فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت قال نعم إذا رأت الماء فغطت أم سلمة وجهها و قالت يا رسول الله أو تحتلم المرأة قال نعم تزيت يمينك فبم يشبهها ولدها رمتفق عليه) وزاد مسلم برواية أم سليم إن ماء الرجل غليظ أبيض وماء المرأة رقيق أصفر فمن أيهما علا أو سبق يكون منه الشبه و حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ام سلیم نے کہا: اے اللہ کے رسول، اللہ حق بات، سے شرم روا نہیں رکھتا۔ پس کیا عورت پر غسل ہے جب اسے اختلام ہو؟ آنحضور نے فرمایا: ہاں، جب وہ پانی دیکھے یعنی جبکہ فی الواقع خواب میں اسے انزال ہو گیا ہو۔ حضرت ام سلمہ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور کہا: اے اللہ کے رسول کیا عورت کو بھی اختلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تیرا سیدھا ہاتھ خاک آلودہ ہو، آخر اس کا بچہ اُس سے کیسے مشابہ ہوتا ہے۔ اور مسلم نے ام سلیم کی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ مرد کا مادہ کٹا ہوا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور پیلا۔ پس ان میں سے جو بھی غلبہ حاصل کرے اسی سے مشابہت ہوتی ہے۔

عن معاذة قالت قالت عائشة كنت اغتسل أنا ورسول الله صلعم من اناء واحد بيني وبينه فيبادرني حتى اقول دليلاً فقلت و هذا جناباً و معاذہ سے روایت ہے